تصوف کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے رجحانات کا جائزہ

A Critical Analysis of the Concept of Shah Wali Ullah (R.A) About Spiritualism

حشمت علی صافی[i]

Abstract

Shah Waliullah (1701-1761 A.D), known as "Imam Ul Hind," has been a prominent scholar of Islam in the Indian sub-continent. He was well-versed in every field of Islamic sciences and has the distinction, to convey the Islamic message in global perspective.

He has also focused on spiritualism (Tasawof) and has played reformative role in this field. He compiled a number of books in spiritualism. In this article his thoughts and reforms, regarding spiritualism have been discussed scholarly.

Key Words: Concept of Shah Waliullh, Spiritulism, Reformative Role.

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ[1] (متوفی ۱۱۷۶ھ) برصغیر کی ایک نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جنہوں نے اس خطہ میں اسلام کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا اور اپنی تصنیفات کے ذریعہ معاصر اسلوب میں اسلامی ادب کو پیش کیا۔

شاہ صاحبؒ نے تقریباً اپنی تمام تصانیف میں تصوف پر تھوڑی بہت گفتگو کی ہے، تاہم بعض کتب بطور خاص اس فن میں تصنیف فرمائی ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کتب میں بعض ایسے لطیف اشارے بھی کیے ہیں کہ اِس فن کی دیگر کتب اُن سے خالی ہیں۔ چونکہ اُس دور میں ایک طرف اس فن کا چرچا تھا اور دوسری طرف تصوف کے اندر کئی ایسے خیالات و تصورات شامل ہو گئے تھے کہ جن

i پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

کی اصلاح ضروری تھی اس لیے آپ نے اس موضوع پر بطورِ خاص قلم اُٹھایا[2]۔ذیل میں تصوف کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کے رجحانات کے جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

لفظ تصوف کی تحقیق اور شاہ ولی اللہ کی رائے

لفظ صوفی اور تصوف کے لغوی اشتقاق کے بارے میں ہر دور میں محققین نے اپنی اپنی آراء پیش کی ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اور صحاح ستہ میں یہ لفظ موجود نہیں اسی طرح عربی زبان کی قدیم لغات بھی اس سے خالی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ علماءِ تصوف اس کی اصل کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔

تصوف اور صوفی کی تاریخی پس منظر کو جاننے کی پہلی کوشش حافظ محمد بن طاہر المقدسی[3] کی بیان کردہ ایک روایت میں کی گئی ہے۔ان کے بیان کے مطابق کوفہ کے ایک محدث ولید بن قاسم[4] سے صوفی کی نسبت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

قَوْمٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ يُقَالُ لَهُمْ صُوْفَةٌ،اِنْقَطَعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَقَطَّنُوْاالْكَعْبَةَ ، فَمَنْ تَشَبَّهَ بِهِمْ فَهُمُ الصُّوْفِيَّةُ[5]

"جاہلیت میں صوفہ کے نام سے ایک قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو گئی تھی اور جس نے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا تھا پس جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے۔"

اس کے علاوہ اور بھی کئی روایات ذکر کی جاتی ہیں جسے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

1. صوفہ کی قوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے مجاور تھے اور حاجیوں کے لیے آرام و آسائش کا انتظام کرنا ان کے ذمے تھا۔ان میں سب سے پہلے غوث بن مر بن اُدّ بن طابخہ بن الیاس بن مضر کا نام صوفہ پڑا[6]۔
2. ایک اور روایت کے مطابق غوث بن مر کی ماں کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا،اس نے نذر مانی کہ اگر بچہ زندہ رہا تو وہ اس کے سر پر صوفہ (صوف کا ٹکڑا) باندھے گی۔لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اپنی نذر پوری کی۔اس وجہ سے لڑکے کا نام صوفہ پڑا،اور بعد میں اس کی نسل بھی صوف کہلائی[7]۔

صوفہ کو آلِ صوفان اور آلِ صفوان کے نام سے بھی جانا جاتا ہے[8] جیسا کہ ایک عربی شاعر لکھتا ہے:

ولایَرِمُون فِی التعریف مَوقِفَهُم حَتّٰی یقال اَجیزُوا آلَ صُوفَانَا[9]

"لوگ ان کے موقف (حاجیوں کی دفاع کے لیے کھڑا ہونا) کی تعریف میں صرف اتنا کہتے ہیں کہ آل صفوان کو بہترین بدلہ دیا جائے۔"

3. معاصر اہلِ قلم اقبال شاہ نے اس لفظ کا مادہ "صفا" ذکر کیا ہے[10]۔ صفا کے مادہ سے صوفی کا لفظ کیسے بنا، اس کے لیے باب مُفَاعَلَةٌ کے ماضی مجہول کا صیغہ صُوْفِیَ لیا گیا[11]، گویا صُوْفِی اسم نہیں بلکہ فعل ماضی مجہول ہے جو بطور اسم استعمال ہو رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر لغوی طور پر مذکورہ اشتقاق صحیح قرار پائے تو صوفی کے مفہوم کو پوری طرح واضح کرتا ہے اور ساتھ ہی صوفی کے مناسب حال بھی ہے، لیکن معروف اصولوں کی روشنی میں صفا سے صفائیہ یا صفویہ بنے گا۔ البتہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) کے نزدیک تو صَفَا ہی سے نہیں، صفہ اور صف سے بھی صوفی بنے گا[12] تاہم یہ رائے بہ ہر حال معروف اصولوں سے انحراف ہے۔ خود امام موصوف نے بھی اسے ترک کیا ہے اور امام قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) بھی صفہ، صف اور صفا کے اشتقاق کو لغوی لحاظ سے درست نہیں مانتے[13]۔

لفظ صوفی کا تاریخی پس منظر

صوفی کا لفظ لقب کے طور پر تاریخ میں پہلے پہل آٹھویں صدی کے نصفِ آخر میں کوفے کے ایک کیمیا گر جابر بن حیّان (حدود: ۱۶۰ھ) کے نام کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ نیز ایک نامور صوفی ابو ہاشم بن شریک کوفی (حدود: ۱۳۰ھ) کے نام کے ساتھ اس کا صیغہ جمع صوفیّہ پہلی دفعہ ۱۹۹ھ ۸۱۴ء میں اسکندریہ میں نظر آتا ہے[14]۔

جاحظ (متوفی: ۲۵۵ھ) کے مطابق تقریباً اسی زمانے میں اس کا استعمال مسلمانوں کی ایک جماعت صوفیہ کے لیے ہوا تھا جو کوفے میں پیدا ہوئی اور جس کا آخری امام عبدک الصوفی

(متوفی: ۲۱۰ھ) تھا یہ شخص گوشت کھانے سے اجتناب کرنے والا اور خلافت میں وراثت کا جاری ہونے کا قائل تھا کہ خلیفہ کا بیٹا ہی آئندہ خلیفہ ہو گا [15]۔

اس تمام مذکورہ بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں صوفی کے لفظ کا استعمال کوفے ہی تک محدود تھا۔

صوفی بطور اصطلاح کو بعد میں بہت ترویج ملی، چنانچہ پچاس سال کے اندر یہ لفظ تمام عراقی صوفیاء کے لیے استعمال ہونے لگا اور دو صدی بعد صوفیہ کی اصطلاح تمام مسلمان صوفیاء کے لیے اس طرح استعمال ہونے لگی جس طرح آج کل ہم صوفی اور تصوّف کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس درمیانی وقفے میں صوف یا "سفید اونی خرقہ" (جسے ۱۰۰ھ بمطابق ۷۱۹ء میں غیر ملکی اور ناپسندیدہ عیسائی لباس سمجھا جاتا تھا) نمایاں طور پر راسخ العقیدہ مسلمانوں کا لباس بن گیا اور آج تک یہی صورت ہے [16]۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی نظر میں تصوف

شاہ ولی اللہؒ سے تصوف کی جو تعریف منقول ہے، وہ گو تصوف کی باضابطہ تعریف تو نہیں ،البتہ اسے تصوف کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب اپنی کتاب "البدور البازغہ" میں لکھتے ہیں:

هذا الصنف: قانون فی معرفة الانسان لربه والمجازاة المُتَرَتِّبَة علی اعماله [17]

"یہ طریقہ کی وہ قسم ہے، جس کی مدد سے انسان اپنے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اور انسان کے اعمال پر مرتب ہونے والے مجازات اور نتائج کو جان لیتا ہے۔"

شاہ صاحب انسانی عقل، قلب اور نفس کے مقامات و احوال کو بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں، یہ دراصل مقامات واحوال تصوف کے نتائج و ثمرات ہیں لہذا لطیفۂ عقل کی بنیاد پر سالک کو جو احوال پیش آتے ہیں وہ توحید، اخلاص، توکل، شکر، اُنس، ہیبت، تفرید (ذکر الٰہی سے بہیمیت تھم جانا اور گناہوں کے بوجھ سے سالک کا بری ہونا)، صدیقیت (صدیق کا نفس نبی کے نفس سے قریب الماخذ ہوتا ہے)، محدثیّت (سالک کا عالم ملکوت کے علوم کو حاصل کرنے میں کامیاب ہونا اور بنی آدم کا

شریعت کے مطابق اصلاح کرنا) کی شکل میں ہیں۔ شاہ صاحب ان کیفیات کا نام تصوف رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں احسان و سلوک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النظرالی الاعمال (ای:العبادات)من حیث ایصالها الی هیئات النفسانیة [18]

"احسان و سلوک اعمال سے اس حیثیت سے بحث کرنے کا نام ہے کہ وہ کیفیات نفسانیہ یعنی اخلاق و ملکات تک کس طرح مفضی ہوتے ہیں۔"

شاہ ولی اللہ اور تصوف کے ادوار

شاہ ولی اللہ نے اسلامی تاریخ میں تصوف کے مختلف انداز و اطوار کا جائزہ لے کر تصوف کو کئی ادوار پر تقسیم کیا ہے جسے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

1. دورِ ایمان و عمل

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ تمام علوم کے حصول کے لیے صحابہؓ کی نگاہیں آنحضرت ﷺ کے جمالِ مبارک پر جمی ہوئی تھیں۔ آپ منبع علم سے ظاہری و باطنی فیوضات حاصل کئے جارہے تھے، یہ صاحب اس دور میں حصول فیوضات کے حوالے ایک اور نکتہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں:

ان الصحابة والتابعین کانوا یحصلون السکینة بطرق اخرٰی فمنها: ا لموا ظبة علی الصلٰوة والتسبیحات فی الخلوة مع المحافظة علی شریطة الخشوع والحضور منها والمواظبة علی الطهارة و ذکر هاذِم اللذات وغیره ذلک[19]

"صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سکینہ حاصل کرنے کے لیے دوسرے طریقے اختیار کرتے جن میں پابندی سے نماز ادا کرنا، تنہائی میں ذکر الٰہی میں مشغول ہونا، جس میں خشوع اور توجہ الی اللہ کے شروط کا لحاظ رکھتے، صفائی کا باقاعدگی سے پابند رہنا اور لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کا یاد کرنا وغیرہ۔"

دورِ ایمان و عمل میں کسی شخص کو اس امر کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ ان معنوی کیفیات کو حاصل کرنے کے لیے بعد کے صوفیاء کی طرح سر نیچے کیے ہوئے گھٹنوں کوئی مخصوص مشق کرے اور یہ کہ خدائے تعالیٰ سے قرب و حضوری کے لیے بحرِ تفکرات میں غرق نظر آتے ہوں، اس وقت تصوف کی بنیاد اعمال کی بنیاد پر استوار تھی۔ اس کے بعد تصوف کا دوسرا دور (دورِ نسبت) آیا، جو چوتھی صدی ہجری تک رہا۔

2. دورِ نسبت پہلی صدی تا جنید بغدادیؒ

جنید بغدادیؒ (متوفی: ۲۹۷ھ) [20] جو صوفیاء کے سر خیل ہیں، اُن کے زمانے میں یا اُن سے کچھ پہلے تصوف نے ایک دوسرا رنگ اپنایا، اس دور میں اہل کمال میں سے ایک عام طبقہ دور اوّل کے طریقہ پر عمل پیرا رہا، لیکن خواص نے بڑی بڑی ریاضتیں شروع کیں، اُنہوں نے دنیا سے بالکل قطع تعلق کر کے مستقل طور پر ذکر و فکر میں مشغولیت اختیار کی، اس سے ان میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی، اس کیفیت سے مقصود یہ تھا کہ دل کو تعلق باللہ کی نسبت حاصل ہو جائے، چنانچہ یہ لوگ اسی نسبت کے حصول میں لگ گئے، وہ مراقبے کرتے تھے، اُن سے تجلی اور وحشت کے احوال و کیفیات ظاہر ہوتے تھے اور وہ اپنے احوال کو اشارات سے بیان کرتے تھے، یہ لوگ سماع سنتے، کشف و اشراف کے ذریعہ دوسروں کے دلوں کی باتیں معلوم کرتے تھے، مجاہدے اور نفس کشی کے امور بجا لاتے تھے، الغرض اس دور کے اہل کمال کا تصوف یہ تھا کہ وہ خدا کی عبادت دوزخ کے عذاب سے ڈر یا جنت کی نعمتوں کے طمع میں نہ کرتے تھے، بلکہ ان کی عبادت کا محرک خدا کے ساتھ ان کی محبت کا جذبہ اور قلبی و روحانی وابستگی تھی۔ اس دور کا امتیازی وصف یہ رہا کہ صوفیاء کا نصب العین علم نہ رہا، اس وقت توجہ اس درجہ کمال تک پہنچی کہ توجہ سے مرد کا نفس پوری طرح حقیقت الحقائق یعنی ذاتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوتا۔

اس دور میں بڑے صوفی ذوالنون مصری (متوفی: ۲۴۵ھ) [21]، جنید بغدادی اور بایزید بسطامی (متوفی: ۲۶۱ھ) [22] قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں حسین بن منصور حلاج [23] (جو جنید بغدادی کا مرید بتایا جاتا ہے) کو ۳۰۹ھ میں پھانسی دی گئی [24]۔ اس تاریخی واقعہ کے بعد ایک سو سال کے اندر تصوف پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ ابو نصر سراج (متوفی: ۳۷۸ھ) [25] کی کتاب "کتاب اللمع"، ابو طالب مکی (متوفی: ۳۸۶ھ) کی "قوت القلوب" امام قشیری (متوفی: ۴۶۵ھ) [26] کا "الرسالۃ القشیریۃ" اور شیخ علی بن عثمان ہجویری (متوفی: ۴۶۵ھ) [27] کی "کشف المحجوب" خاص طور قابل ذکر ہیں۔

تصوف کا یہ دوسرا دور (دور نسبت) شاہ صاحب کے بقول ابو سعید بن ابی الخیر (متوفی: ۴۴۰ھ) [28] اور ابوالحسن خرقانی (متوفی: ۴۲۵ھ) [29] پر ختم ہوا [30]۔

3. دورِ جذب و توجہ

دور جذب و تصوف کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> اس دور میں طریقہ تصوف میں ایک اور تغیر رونما ہوا، اہل کمال میں سے عوام حسب سابق شرعی اوامر پر کاربند رہے ہیں، جب کہ خواص نے باطنی احوال و کیفیات کو اپنا نصب العین بنایا، خواص الخواص نے اعمال و احوال سے گزر کر جذب تک رسائی حاصل کرنے کو اپنا مقصود ٹھہرایا اور اس جذب کی وجہ سے ان کے سامنے توجہ کی نسبت کا دروازہ کھل گیا اور اس وجود کے تعینات کے سب پردے ان کے لیے چاک ہو گئے اور اُنہوں نے عالم محسوسات میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہی ایک ذات ہے جس پر تمام اشیاء کے وجود کا انحصار ہے [31]۔

شاہ صاحب کے نزدیک اس جذب و توجہ سے ان بزرگوں کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ ذات الٰہی میں اپنی توجہ ضم کر کے اس مقام کی کیفیت سے لطف اندوز ہو۔ لہٰذا ذات باری تعالیٰ سے اتصال کا تصور تصوف میں اُبھرنے لگا، البتہ یہ بزرگ اس بحث میں نہیں پڑتے تھے کہ کائنات کا ذات باری تعالیٰ سے کیا تعلق ہے؟ انسان اس ذات میں کیسے گم ہو سکتا ہے؟ اور فنا و بقا کے جو مقامات ہیں، ان کی اصل حقیقت کیا ہے؟

دور اول کا اختتام مشہور صوفی شیخ ابو سعید پر ہوا تھا اور شیخ ابو سعید بن ابی الخیر کی وفات کے ساتھ ہی امام غزالیؒ [32] کی ولادت ہوئی، بے شک وہ عالمِ دین اور متکلم پہلے تھے جب کہ صوفی بعد میں، تصوف کے سلسلے میں ان کی خدمات یہ ہیں کہ اہل دین جو تصوف کی آزاد خیالی اور آزاد مشربی سے بیزار ہو رہے تھے اور تصوف جو شرعی قیود سے آزاد ہوتا جا رہا تھا، آپ نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کیا، عقل جو اسلامی تحریک معتزلہ کے نام سے مذہبی عقائد کی شارح بن کر نکلی تھی، اِدھر اُدھر بھٹک کر امام غزالی کی شخصیت میں تصوف اور حکمت کی آمیزش کا باقاعدہ آغاز آپ کے دور سے ہوا، اس سے پہلے تصوف اور فلسفے میں کبھی دوستی اور کبھی آویزش کی صورتیں نظر آتی تھیں۔

اس دوسرے دور میں تصوف کی اصطلاحات تفاسیر میں جگہ پانے لگیں، تصوف و حکمت کے امتزاجی سلسلے میں امام ابو حامد الغزالی نے موثر ترین کام یہ کیا کہ اُنہوں نے دینی عقائد، فلسفیانہ افکار اور عرفانی واردات کے مابین تطبیق پیدا کر دی، چنانچہ ان کی کتب "احیاءعلوم الدین" ،"مشکوۃ الانوار" ،"رسالتہ اللدنیہ" اور "معارج القدس" اس تطبیقی نقطہ نظر کی پوری نمائندگی کرتی ہیں۔

امام غزالی کی وفات ۵۰۵ ہجری میں ہوئی، ان کے ۵۰ برس بعد علم تصوف کے سب سے بڑے مصنف شیخ اکبر ابن عربی[33] پیدا ہوئے، ان کی پر اسرار شخصیت کے ساتھ ہی تصوف کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، یوں ساتویں صدی ہجری نے تصوف کا فلسفہ کی روپ میں استقبال کیا[34]۔

4. دورِ فلسفہ وجود

وجود کی فلسفیانہ بحث اس دور کے ممیزات میں سے رہی، وجود مطلق کیا ہے؟ ذات واجب الوجود سے کائنات کا کیا تعلق ہے؟ کائنات کا صدور ذات فیاض سے کیسے ہوا؟ اس وقت صوفیاء کا مطمح نظر کیفیات واحوال کی منزل سے بھی آگے بڑھ کر جذب و سکر[35] کی کیفیات بن گئیں، ان بزرگوں نے ظہور کائنات کے مدارج اور تنزلات کی تحقیقات کیں، قدیم اور حادث کے باہمی تعلق کو باریک بینی سے بیان کیا، اسی طرح تصوف نے فلسفیانہ روپ دھارا۔ ابن عربی نے جن حقائق کو علم و حکمت کی متعلقہ زبان میں پیش کیا، سنائی، عطار، رومی اور جامی نے شعر کے دلکش وزُود اثر پیرائے میں ان حقائق کو ادا فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف کے معارف خواص سے عوام تک پہنچے اور ہر شخص تصوف کا کلمہ پڑھنے لگا۔

شاہ صاحب کی تقسیم ادوارِ تصوف، عام مورخین کے مقابلہ میں صوفیانہ رجحانات اور مقصدیت پر مبنی ہے۔ شاہ صاحب کے یہ چار ادوار (دورِ ایمان و عمل، دورِ نسبت، دورِ جذب و توجہ، دورِ فلسفۂ وجود) ایسے تاریخی موڑ ہیں جن سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ تصوف کو ان ادوار میں مختلف نئے رجحانات کا سامنا کرنا پڑا اور تصوف کو واضح جہتیں ملیں۔

علمی استفادے کے لیے اس بات کا اظہار دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ علامہ اقبال اپنی کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے ساتویں خطبہ میں تصوف کو تین ادوار میں تقسیم کرتے

ہیں جسے وہ دورِ ایمان، دورِ فکر و ذکر اور دورِ عرفان حقیقت کا عنوان دیتے ہیں۔ علامہ نے آخری دور کے بارے میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ اس دور میں مابعد الطبیعات کی جگہ نفسیات نے لے لی اور انسان کو یہ آرزو دامن گیر ہوئی کہ وہ حقیقتِ مطلقہ سے براہ راست اتحاد و اتصال قائم کرے، چنانچہ یہی مرحلہ ہے جس میں مذہب کا معاملہ زندگی اور طاقت کا معاملہ بن جاتا ہے اور جس میں انسان کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ ایک آزاد اور بااختیار شخصیت کا مقام حاصل کرے، شریعت کی حدود و قیود توڑ کر نہیں بلکہ خود اپنے اعماقِ شعور میں اس کے مشاہدے سے یہ مرتبہ حاصل کرے[36]۔

تصوف میں اتصال سند کا جائزہ

تصوف میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، وہ شیخ کی سند کا اتصال ہے یعنی شیخ خود کسی اور شیخ سے بیعت کر چکا ہو اور اسی طرح یہ سند متعلقہ باتی سلسلہ کو پہنچے۔ خود شاہ صاحب اپنی سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کی سندِ طریقت رسول اللہ ﷺ تک، صحیح اور متصل طریقے سے پہنچی ہے، شاہ صاحب کا بیان ہے:

صحبتنا و تعلمنا الاداب الطریقة و السلوک متصلة الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم بسند الصحیح [37]

"ہمارا سلسلہ اور سلوک و طریقت کے تعلیم کا انداز سیدھا رسول اللہ ﷺ تک سند صحیح کے ساتھ پہنچتا ہے۔"

ایک اور مقام پر شاہ صاحب لکھتے ہیں:

واستفاض عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ان الناس کانوا یبایعونه تارة علی الهجرة والجهاد و تارة علی اقامة ارکان الاسلام و تارةً علی الثبات والقرار فی معرکة الکفار و تارةً علی التمسک بالسنة والا جتناب عن البدعة والحرص علی الطاعات[38]

"رسول اللہ ﷺ سے یہ بات شہرت کے درجے میں معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کبھی تو ہجرت و جہاد پر بیعت کرتے تھے، کبھی ارکان اسلام کی ادائیگی پر بیعت کرتے تھے،

کبھی کفار کے ساتھ لڑائی میں ثابت قدم رہنے کی بیعت لیتے تھے اور کبھی سنت پر قائم رہنے اور بدعات سے اجتناب کرنے اور طاعات پر حرص کرنے کی بیعت لیتے تھے۔"

مذکورہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں بیعت کے مسنون ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ خلفاء راشدین کے بعد بیعت کے سلسلے کو اس خوف سے ترک کر دیا گیا کہ کہیں بیعت لینے والے کے متعلق خلافت کی تحصیل کا گمان نہ کیا جانے لگے اور یہ اُلٹا فتنہ و فساد کا موجب نہ بنے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک "شیخ کامل" کی شرائط

شاہ ولی اللہؒ نے شیخ کامل کے لیے کچھ شرائط مقرر کیے ہیں جن کا شیخ میں پایا جانا ضروری ہے ورنہ وہ کامل شیخ نہیں کہلائے گا۔ ذیل میں شیخ کامل کے لیے شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ شرائط ذکر کی جاتی ہیں:

1. عالم بالقرآن والسنۃ

شاہ ولی اللہ کے نزدیک شیخ کامل کے لئے ابتدائی شرط قرآن و سنت کا مناسب حد تک عالم ہونا ہے، وہ فرماتے ہیں:

فشرط لمن یا خذ البیعة أمور: احد ها عِلم الکتاب والسنة، ولا ارید المرتبة القصوٰی بل یکفی من علم الکتاب ان یکون ضبط تفسیر المدارک او جلالین اوغیرهما و حققه علی عالمٍ و عرف معانیه و تفسیر الغریب و اسباب النزول والا عراب والقصص وما یتصل بذالک[39]

"بیعت لینے والے میں یعنی پیر و مرشد میں چند امور کا ہونا شرط ہے۔ شرطِ اول: اُن کا قرآن و سنت کا عالم ہونا ہے، قرآن و سنت کے علم سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ اس میں درجہ کمال پر پہنچ جائے بلکہ مرشد کے لئے قرآن حکیم کا علم بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے تفسیر مدارک یا تفسیر جلالین یا ان جیسی کوئی اور تفسیر پڑھی ہو، کسی عالم سے قرآن کی تحقیق کی ہو اور اس کے معانی جان لیے ہوں، مشکل الفاظ کو سمجھا ہو، اسباب نزول کا احاطہ کیا ہو اور اعراب، قصص اور اس سے متعلق جو مسائل ہیں اُن کا انہیں علم ہو۔"

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

ومن السنة ان یکون قد ضبط و حقق مثل کتاب المصابیح و عرف معانیه و شرح غریبه و اعراب مشکله و تاویل معضله علی رائ الفقهاء [40]

"مرشد کا سنت کے عالم ہونے کا مطلب ہے کہ وہ حدیث کی "المصابیح" جیسی کتاب پڑھ چکا ہو، اس میں اس نے تحقیق کی ہو اور اس کے معانی سمجھا ہو، اُس کے غریب اور نامانوس الفاظ کی شرح کی ہو اور اُس کے مشکل الفاظ کو حل کیا ہو، اور حدیث میں جو دقیق مسئلہ آیا ہو، فقہاء میں سے کسی ایک کی رائے کے مطابق اُس نے اس کی تاویل و تشریح کی ہو۔"

2. عادل و متقی ہونا

شیخ کامل سے متعلق شاہ صاحب دوسری اہم شرط کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں :

والشرط الثانی :العدالة والتقوٰی فیجب ان یکون مُجْتَنباً عن الکبائر غیر مُصرٍ عَلی الصغائر [41]

"مرشد کے لیے دوسری شرط اُس کا عادل ہونا اور اُس کا تقوٰی دار ہونا ہے، مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچے اور گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔"

3. دنیا سے بے نیازی اور آخرت سے رغبت رکھنا

شاہ صاحب مرشد کے لئے تیسری شرط کو یوں بیان کرتے ہیں :

والشرط الثالث: أن یکون زاهدًا فی الدنیا، راغباً فی الاخرة ،مواظباً علی الطاعة المؤ کدة والا ذکارِ الماثورة المذکورة فی صحاحِ الاحادیث مواظباً علی تعلق القلبِ باللّٰهِ سبحانه تعالیٰ [42]

"مرشد کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا سے بے نیاز ہو، آخرت میں رغبت رکھتا ہو اور جو طاعات و عبادات ضروری اور مئوکد ہیں اور جو ذکر و اذکار صحیح احادیث سے مروی ہیں، وہ ان کا پابند ہو، اس کا دل برابر اللہ سبحانہ تعالیٰ سے تعلق رکھے یعنی اس کی شخصیت میں الٰہی رنگ واضح ہو۔ طاعات و عبادات سے چونکہ حقوق اللہ یا حقوق العباد کی رعایت مقصود ہے۔"

4. امر بالمعروف نہی عن المنکر پر عامل ہونا

شاہ صاحب مرشد سے متعلق چوتھی شرط کا ذکر یوں کرتے ہیں:

والشرط الرابع: أن يكون أمراً بالمعروف ونا هياً عن المنكر مسبتداً برأيه لا امعة ليس له رأى، ولا امر ذامروة و عقل تام ليعتمد عليه فى كل مايأ مربه وينهى عنه قال اللّٰه تعالٰى: فممن تر ضون من الشهداءِ ،فماظنک لصاحب البيعة[43]

"مرشد کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عامل ہو، اپنی رائے میں پختہ ہو، متذبذب خیال کا مالک نہ ہو کہ نہ اس کی اپنی رائے ہو اور نہ اس کا کوئی فیصلہ، وہ صاحب مروت ہو، عقل تام رکھتا ہو تا کہ جس چیز کے کرنے کا وہ حکم دے اور جس سے وہ منع کرے، اس حوالہ سے اُس پر پورا اعتماد کیا جاسکے، اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہیے جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو) تو صاحب بیعت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

5. شیخ کا صحبت یافتہ ہونا

شاہ صاحب مرشد کے لیے پانچویں شرط یہ قرار دیتے ہیں:

والشرط الخامس :أن يكون صحب المشائخ و تادب بهم دهراً طويلاً وأخذ منهم النور الباطن والسكينة هذا لان سنة اللّٰه جرت بان الرجل لا يفلح اِلا اذارأى المفلحين كما ان الرجل لا يتعلم اِلا بصحبة العلماء و على هٰذا القياس غير ذالک من الصناعات [44]

"مرشد کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ ایک مدت دراز تک مشائخ کی صحبت میں رہا ہو، اُن سے اس نے تربیت پائی ہو اور نور باطن و تسکین قلب اخذ کیا ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالٰی کا یہ مقررہ نظام ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک فلاح نہیں پاسکتا، جب تک کہ وہ فلاح پانے والوں کو دیکھے اور ان سے نہ ملے، جس طرح کہ کوئی شخص اس وقت تک علم حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ علماء کی صحبت میں نہ رہا ہو، یہی حال دوسرے پیشوں کا بھی ہے۔"

کرامات اور شاہ ولی اللہؒ

مرشد کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ اس سے کرامت و خوارق کا ظہور ہو یا وہ تمدن و معاشرت یا کسب معاش کو چھوڑ بیٹھے اور اسے توکل کا نام دے، کرامات و خوارق اور اجابت الدعوات ریاضتوں کے ثمرات تو ہیں، اگر ان کا حصول ہو جائے تو انہیں نعمت خداوندی سمجھا جائے وگرنہ یہ

امور شرط ولایت کے جز کے طور پر لازمی نہیں۔ البتہ شاہ صاحب یہ لازمی گردانتے ہیں کہ شیخ کا دربار ربانی سے خصوصی تعلق ہو، اپنے وصیت نامے میں وہ لکھتے ہیں:

مقتداء در سیر و سلوک شخصے باید ساخت کہ واقف حظیرۃ القدوس باشد نہ شخصے کہ کشف و کرامات او بیشتر دیدہ شود[45]

لہٰذا شاہ صاحب انتخاب شیخ کو اہم مسئلہ قرار دیتے ہیں، شاہ صاحب شیخ سے کرامات و خوارق کے ظہور کو چنداں اہمیت نہیں دیتے، اس طرح کسی شیخ کے مریدین کی کثرت بھی ان کے ہاں کاملیت کی دلیل نہیں، وہ شیخ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بارے میں لکھتے ہیں:

دست در دست مشائخ ایں زمان کہ بانواع بدعت مثلا ہستند ہر گز نباید داد و بیعت بایشان نباید کرد و بکرامات ایشان مغرور نہ باید بود، اکثر غلو عام بسبب رسم است[46]

تصوف اور راہِ طریقت کے مسافر کو وہ نصیحت کے طور پر لکھتے ہیں کہ ایسے موقع پر خوب جانچ پرکھ سے کام لیا جائے، کثرت معتقدین یا خوارق کو بنیاد بنا کر ہر کسی کو شیخ کامل سمجھنا بڑی غلطی ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو شیخ کامل مہیا نہ ہو، تو میری کتب سے استفادہ کریں، کم از کم اگر کل ہاتھ سے جائے تو جز سے تو محرومیت نہ ہو، ان کی یہ نصیحت اموز بات بعینہ وہی ہے جو شاہ ولی اللہ سے پہلے شیخ علی ہجویری اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں لکھ چکے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے اپنی خواہشات کا نام شریعت، حب جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم اور ریاکاری کا نام تقویٰ رکھ لیا ہے اور دل میں کینہ چھپانے کا نام حِلم، مجادلہ کا نام مناظرہ، محاربہ وبے وقوفی کا نام عظمت، نفاق کا نام وفاق، آرزو و تمنا کا نام زُہد، ہذیان طبع کا نام معرفت، نفسانیت کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکارِ وجود کا نام صفوت، بے دینی و زندقہ کا نام فنا اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے اور اہل دنیا کی آفتوں کو معاملہ کہنے لگے ہیں۔ اسی بنا پر ارباب معانی و عارفان حقیقت نے ان لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے اور گوشۂ خلوت میں رہنا پسند کر لیا ہے[47]۔

نتائج بحث

تصوف میں انسان کی قوتوں کو متحرک کر کے معرفت الٰہی کے مقصد کو حاصل کرنا ہے۔ تصوف دراصل فقہ ظاہر کی طرح فقہ باطن ہے۔ نفسِ انسانی کی اصلاح و تربیت کے لیے بڑا وسیلہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ احکام شرعیہ کی بجاآوری میں نفس پر مثبت نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ پورا تصوف اسلامی دین اسلام ہی سے ماخوذ ہے۔ شریعت اور طریقت میں ظاہر و باطن کا فرق ہے کہ شریعت دین کا وجود خارجی ہے اور طریقت و تصوف یا تزکیہ و احسان دین کا وجود باطنی ہے۔

شاہ صاحب نے فن تصوف کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی ہے۔ آج بھی اگر ان کی کتب سے صحیح معنوں میں استفادہ کیا جائے تو اس سے ہمارا دینی مزاج پروان چڑھنے میں مدد مل سکتی ہیں۔ شاہ صاحب اسلامی فلسفۂ تصوف میں افراط و تفریط کے روادار نہیں۔ شاہ ولی اللہ کی تصوفانہ تعلیمات کا نتیجہ ہمت و بہادری اور تقدم کی صورت میں برآمد ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات پس ہمتی، رہبانیت، افسردگی، یاس و قنوطیت، دشمن سے انتقام جیسے منفعلہ اخلاق کے مقابلے میں عزم و ثبات، دلیری، غیرت مندی اور بلند حوصلگی جیسے قوت افزاء قوت فاعلی کی اخلاق پیدا کرتی ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 ان کا اصل نام احمد بن عبدالرحیم ہے۔ کتب تاریخ میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری، حنفی، نقش بندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس وتدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں تفسیر و حدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار جانباز بیٹے عطا فرمائے جو علم کے پہاڑ ثابت ہوئے: شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالغنی، شاہ عبدالقادر۔ ہندوستان دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (عبدالحئ حسنی، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر ۶: ۴۱۰، طیب اکادمی ملتان، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء۔۔۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند ۵۴۲، ترجمہ: محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء)

2 فن تصوف پر شاہ ولی اللہ کی درج ذیل تصانیف ہیں:

*القول الجمیل فی بیان سواء السبیل *الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس *سطعات * ہمعات *لمعات

3 ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی الشیبانی المعروف بہ ابن القیسرانی المقدس ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں پیدا ہوئے، حدیث وتاریخ میں کثیر التصانیف مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔امام داود بن علی الاصبہانی کے پیرو تھے ،سماع کی اباحت کے قائل تھے۔ تصوف میں ان کا تعلق صوفیہ کے فرقہ ملامتیہ سے تھا۔ سلوک وتصوف کے موضوع پر "صفوۃ التصوف" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے ماہرین حدیث نے تلخ تنقیدوں کا ہدف بنایا۔۵۰۷ھ/۱۱۱۳ء میں وفات پائی۔(شمس الدین الذہبی،تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۲۴۲،دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد،الطبقۃ الرابعۃ،۱۳۹۰ ھ/۱۹۷۰ء۔۔۔ ابن خلکان،وفیات الاعیان ۴: ۲۸۷،تحقیق احسان عباس، دار صادر،بیروت، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔۔۔ خیر الدین الزرکلی،الاعلام،۷ : ۴۱،مصر،الطبعۃ الثانیہ ۱۹۵۹ء)

4 ابوالولید بن القاسم بن الولید الہمدانی کا تعلق کوفہ سے تھا۔ علماءِ رجال میں سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ابن حبان اور ابن عدی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے مگر مشہور ماہر فن یحییٰ ابن معین نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ابن حجر عسقلانی نے انہیں حفاظ حدیث کے آٹھویں طبقہ میں شمار کیا ہے یعنی اس طبقہ میں جس پر ضعف کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ صراحت کے ساتھ تضعیف نہیں کی گئی ہے، متوفی ۸۳ھ/ ۷۰۲ء۔ابن شاہین کے نزدیک بھی ضعیف الحدیث ہیں۔(ابو حفص عمر بن احمد ابن شاہین، تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین ۱: ۱۸۸،مطبع ندارد، سن طبع:۱۹۸۹ء۔۔۔،ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب ۱۱ : ۱۲۸،دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۴ء)

5 محمد بن طاہر المقدسی، صفوۃ التصوف: ۷، تعلیق احمد شرباصی، دار التالیف مصر، ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء

6 محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب ۹ : ۲۰۰، دار صادر—بیروت، ۱۴۱۴ھ۔۔۔ابو محمد عبد الملک بن ہشام، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱: ۱۳۱، تعلیق محمد محی الدین عبد الحمید، دار لفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ

7 ابوالفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی، تلبیس ابلیس: ۱۶۱، دار الطباعۃ المنسیریہ القاہرہ، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء

8 ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری، اساس البلاغۃ :۲۶۲، تحقیق استاذ عبد الرحیم محمود، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۳ء

9 لسان العرب ۹ : ۲۰۰

10 *Iqbal Shah, Islamic Sufism, Delhi- Reprint 1979 p-18*

11 اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶: ۴۱۸، دانش گاہ پنجاب لاہور پاکستان، طبع اول ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء

12 ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ ۱: ۳۶۹، جمع وترتیب: عبد الرحمٰن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی، رباط المغرب، ۱۳۸۲ھ

13 الرسالۃ القشیریۃ: ۱۶۵، العامرہ العثمانیہ، مصر، ۱۳۰۴ھ

14 اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶ : ۴۱۹

15 نفس المصدر

16 *Dr.Nicholson:The Idea of Personality in Sufism (Eidited) London,1970,p:50-70*

17 شاہ ولی اللہ دہلوی، البدور البازغۃ: ۳۵، مجلس علمی ڈابھیل سورت انڈیا

18 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ ۲ : ، من ابواب الاحسان: ۱۱۷ قدیمی کتب خانہ، کراچی

19 شاہ ولی اللہ، القول الجمیل: ۱۱۴, مترجم خرم علی بلہوری، دار الاشاعت لاہور

20 سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بن محمد، ان کا تعلق نہاوند سے تھا۔ عراق میں پیدا ہوئے، ان کے والد شیشہ فروش تھے اسی لیے قواریری کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امام ابو ثور کے مذہب کے فقیہ تھے اور اُن کی موجودگی میں اُن ہی کے حلقہ درس میں فتوی دیا کرتے تھے، اُس وقت اُن کی عمر بیس سال کی تھی۔ ۲۹۷ھ تاریخ وفات ہے۔ (رسالہ قشیریہ : ۵۰-۵۱)

21 ثوبان بن ابراہیم المعروف بہ ذوالنون مصری، مصر کے مشہور صوفی، اہل ولایت کے احوال و مقامات میں مصر میں سب سے پہلے گفتگو کی۔ اہل ملامت (تصوف کے فرقہ ملامتیہ) کے سردار مانے جاتے ہیں۔ (ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۱ : ۳۱۵، دار صادر بیروت، ۱۹۷۸ء۔۔۔ الاعلام ۲ : ۸۸)

22 طیفور عیسیٰ بن آدم المعروف بہ شیخ بایزید بسطامی، صاحب سکر صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ طریقہ طیفوریہ آپ سے منسوب ہے جس کی بنیاد سُکر ہے۔ (وفیات الاعیان ۲ : ۵۳۱)

23 حسین بن منصور الحلاج، ابو مغیث، فلسفی، کبھی انہیں بڑے بڑے عباد اور زہاد میں شمار کیا جاتا ہے تو کبھی ملحدین میں۔ ابوالقاسم جنید وغیرہ کا شاگرد رہا۔ اصل میں فارس کے علاقہ بیضاء کے رہنے والے تھے، تستر یا واسط العراق میں پلے بڑھے پھر بصرہ منتقل ہوئے ۔ فرائضہ حج ادا کیا بغداد داخل ہوئے اور واپس تستر پہنچے۔ صوم دہر کے پابند تھے۔ ۲۹۹ھ میں اس کا پیغام لوگوں میں پہنچا انہوں نے توحید اور ایمان میں اس کی پیروی کی۔ پھر یہ مختلف علاقوں میں گشت کرتا رہا اور چپکے چپکے اپنا طریقہ نشر کرتا رہا۔ عباسی حکومت کے سامنے شیعہ بنتا اور عوام کے سامنے صوفی بنتا۔ اپنے جسم میں ذات الٰہی کے حلول کا قائل تھا۔ مقتدر عباسی تک اس کے زیادہ شکایات پہنچنے پر اس نے حسین بن منصور کو پکڑ کر قید میں ڈالا اور اسے بہت مارا، اس نے کسی قسم کی فریاد نہیں کی اور نہ مدد طلب کی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور اس کا سر تن سے الگ کیا پھر اس کے جثے کو آگ لگادی۔ جب جل کر راکھ ہوا تو اسے دجلہ میں بہادیا گیا اور اس کا سر بغداد کے پُل پر لٹکا دیا گیا۔ اس کا قتل ۳۰۹ھ کو واقع ہوا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے دعویٰ کیا کہ حسین بن منصور قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ اس کے دشمن اس کے بارے میں شبہ میں پڑے۔ ابن ندیم کے مطابق یہ حیلہ گر، صوفیہ کے مذاہب کو خراب کرنے والا، ہر علم کا دعویٰ کرنے والا تھا۔ (وفیات الاعیان ۲: ۱۴۰)

24 زندقہ میں قتل کیا گیا' پہلے پہل صوفی تھا پھر بے دین ہوا اور جادو سیکھ کر شعبدہ باز بنا۔ علماء نے اس کے خون کو مباح قرار دیا۔ تو اس کو قتل کیا گیا۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان ۲ : ۳۱۴، مؤسسۃ العلمی بیروت، لبنان، ۱۹۷۱ء

25 عبداللہ بن علی الطوسی، ابو نصر السراج، زاہد اور صوفیہ کے شیخ تھے۔ سنت کے طریقہ پر تھے۔ تصوف میں انہوں نے "اللمع" کے نام پر ایک تصنیف لکھی ہے۔ ۳۷۸ھ / ۹۸۸ء کو وفات پائی۔ (عبدالحئ بن احمد ابوالفلاح، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ۴ : ۴۱۳، ،دار ابن کثیر، بیروت، دمشق، ۱۹۸۶ء۔ الاعلام ۴ : ۱۰۴

26 عبدالکریم بن ہوازِن بن عبدالملک بن طلحہ نیشاپوری قشیری ابوالقاسم زین الاسلام۔ بنو قشیر بن کعب سے تعلق کی وجہ سے قشیری کہلائے۔ ۳۷۶ھ/۹۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں زہد اور دینی علوم میں خراسان کے شیخ تھے۔ نیشاپور میں اقامت پذیر ہوئے تھے جہاں ۴۶۵ھ/۱۰۲۷ء کو وفات پائی۔ (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۱۱ : ۳۸، دار الکتب العربیۃ، بیروت۔۔۔ الاعلام ۴: ۷۵)

27 ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی، غزنی کے قریب ہجویر میں ۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء کو پیدا ہوئے۔ سیر و سیاحت کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے شیخ کا سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے فن تصوف میں پہلی دفعہ فارسی زبان میں کشف المحجوب نامی کتاب لکھی ہے۔ ۴۶۵ھ بمطابق ۱۰۷۲ء کو وفات پائی۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔ برصغیر میں داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ (مولانا عبدالرحمٰن جامی، نفحات الانس: ۲۰۲، نولکشور کانپور، ۱۸۹۳ء)

28 ابوسعید، ابوالخیر، خراسان کے مقام مہنہ میں ۳۵۷ھ / ۹۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ صوفیہ میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے۔ اسرار التوحید ان کی تصنیف ہے۔ اہل سلوک میں آپ کی رباعیات کی بے حد قدر کی جاتی ہے۔ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۷ء کو وفات پائی۔ مزار مہنہ ہی میں ہے۔ (سفینۃ الاولیاء: ۱۶۲)

29 ابوالحسن علی بن جعفر خرقانی، خرقان کے مشہور شیخ طریقت تھے۔ شطحیات کے لیے مشہور ہیں۔ ۴۲۵ھ بمطابق ۱۰۳۳ء کو وفات پائی۔ (نفحات الانس: ۱۹۰-۱۹۱)

30 شاہ ولی اللہ، ہمعات: ۱۶، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، سندھ

31 نفس مصدر

32 محمد بن محمد، غزالی، طوسی، ابوحامد صوفی اور فلسفی تھے۔ تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ ۴۵۰ ھ / ۱۰۵۸ء کو طابران میں پیدا ہوئے جو صوبہ خراسان کے طوس شہر کا مضافاتی گاؤں تھا اور اسی گاؤں میں ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء کو وفات پائی۔ نیشاپور، بغداد، حجاز اور شام و مصر کے سفر کیے۔ (وَفیات الاعیان، ۴:۲۱۶۔۔۔ الأعلام، ۷: ۲۲)

33 محمد بن علی بن محمد ابن عربی ابو بکر الحاتمی الطائی الاندلسی 'عرف محی الدین بن عربی' لقب شیخ اکبر، صوفی اور فلسفی تھے۔ رمضان ۵۶۰ھ/۱۱۶۵ء کو مرسیہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ اِشبیلیہ منتقل ہوئے۔ رحلہ میں قیام پذیر ہوئے۔ شام، روم، عراق اور حجاز مقدس کے سفر کیے۔ کچھ شطحیات کی وجہ سے اہل مصر نے اُنہیں قید میں ڈال کر پھانسی چڑھانے کا فیصلہ کیا مگر علی بن فتح بجائی کی کوششوں سے رہائی ملی' وہاں سے جاکر دمشق میں رہائش اختیار کی، جہاں ۶۳۸ھ /۱۲۴۰ء کو وفات پائی۔ (محمد بن شاکر الکُتبی، فوات الوفیات ۲: ۳۹۷، ترجمہ: ۴۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰ء۔۔۔ الاعلام ۶: ۲۸۱)

34 ہمعات: ۲۰-۱۶

35 سالک کے قلب کے احوال میں ارادۂ آخرت سر فہرست ہے جس کے نتیجہ میں اللہ اور رسول کی محبت اس میں راسخ ہو جاتی ہے اور ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست قرار پاتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک قلب کے تین احوال میں سے ایک حال سُکر و مدہوشی کی ہے جس میں نور ایمان عقل میں متمثل ہو جائے پھر دل میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ مصالحِ دُنیا اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ یہاں تک کہ اُن چیزوں کو پسند کرنے لگتا ہے جسے انسان پسند نہیں کرتے۔ وہ مدہوش کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اپنی عقل اور اپنی عادات کی راہوں سے بدل جاتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ۲ : ۹۰، فاران اکیڈمی، اُردو بازار لاہور، ۱۹۷۰ء)

36 علامہ ڈاکٹر اقبال, تشکیلِ جدید الٰہیات اِسلامیہ: ۲۷۹، بزم اقبال کلب روڈ، لاہور

37 شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل: ۲۵ عربی متن و ترجمہ: خرم علی بلہوری، سنگ میل پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۰ء

38 نفس مصدر ، ص: ۳۵

39 نفس مصدر ، ص: ۲۵

40 نفس مصدر

41 نفس مصدر

42 نفس مصدر

43 نفس مصدر

44 نفس مصدر

45 شاہ ولی اللہ، المقالۃ الوضیۃ النصیحۃ والوصیۃ المعروف بہ وصیت نامہ: ۳ , مکتبہ مجتبائی دہلی

46 شاہ ولی اللہ دہلوی، ہمعات: ۲۴, شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ، ہمعہ نمبر: ۳

47 شیخ ابو الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی ہجویری, کشف المحجوب: ۳۰، ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۰ء